خوشبو کی آہٹ
عندلیب زاہرہ
Pdf available at
www novelsclubb com
FB INSTA
novelsclubb

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

خوشبو کی آہٹ

از

عندلیب زاہرہ

www.novelsclubb.com

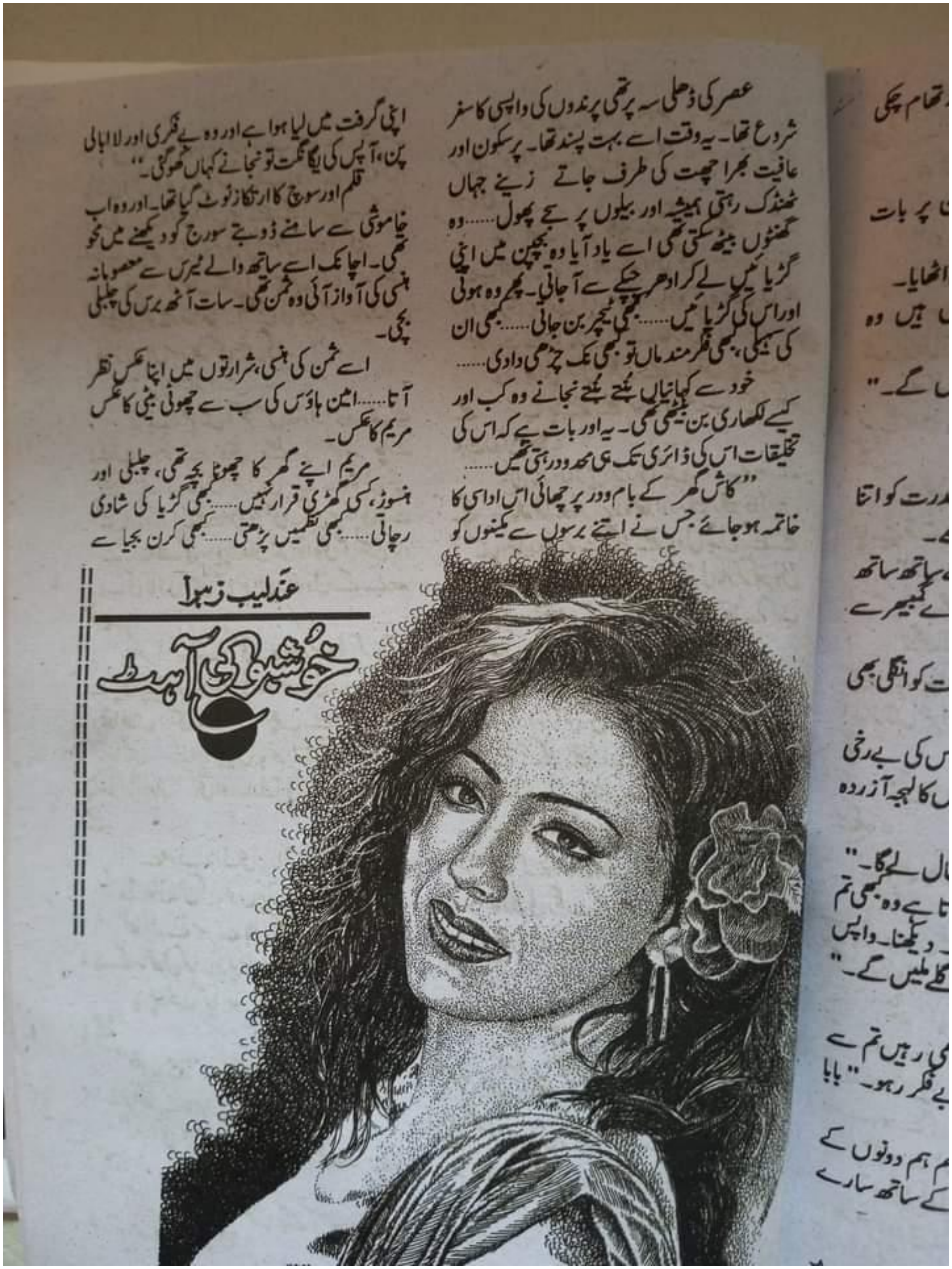

خوشبو کی آہٹ

عندلیب زہرا

عصر کی ڈھلی سہ پہر تھی پرندوں کی واپسی کا سفر شروع تھا۔ یہ وقت اسے بہت پسند تھا۔ پرسکون اور عافیت بھرا چھت کی طرف جاتے زینے جہاں ٹھنڈک رہتی ہمیشہ اور بیلوں پر سجے پھول...... وہ گھنٹوں بیٹھ سکتی تھی اسے یاد آیا وہ بچپن میں اپنی گڑیائیں لے کر ادھر چپکے سے آجاتی۔ پھر وہ ہوتی اور اس کی گڑیائیں...... کبھی ٹیچر بن جاتی...... کبھی ان کی سہیلی، کبھی فکر مند ماں تو کبھی نک چڑھی دادی......

خود سے کہانیاں بنتے بنتے نجانے وہ کب اور کیسے لکھاری بن بیٹھی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی تخلیقات اس کی ڈائری تک ہی محدود رہتی تھیں......

"کاش گھر کے بام و در پر چھائی اس اداسی کا خاتمہ ہو جائے جس نے اتنے برسوں سے مکینوں کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے اور وہ بے فکری اور لاابالی پن، آپس کی یگانگت تو نجانے کہاں کھو گئی۔"

قلم اور سوچ کا ارتکاز ٹوٹ گیا تھا۔ اور وہ اب خاموشی سے سامنے ڈوبتے سورج کو دیکھنے میں محو تھی۔ اچانک اسے ساتھ والے ٹیرس سے معصومانہ ہنسی کی آواز آئی وہ ثمن تھی۔ سات آٹھ برس کی چلبلی بچی۔

اسے ثمن کی ہنسی، شرارتوں میں اپنا عکس نظر آتا...... امین ہاؤس کی سب سے چھوٹی بیٹی کا عکس مریم کا عکس۔

مریم اپنے گھر کا چھوٹا بچہ تھی، چلبلی اور ہنسوڑ، کسی گھڑی قرار نہیں...... کبھی گڑیا کی شادی رچاتی...... کبھی نظمیں پڑھتی...... کبھی کرن بجیا سے

فرمائشی کھانے پکواتی۔ شاہ زیب بھیا کے گلے میں بانہیں ڈال کر فرمائش کرتی، جب وہ تین برس کی تھی تو والد صاحب داعیٔ اجل ہو گئے تھے۔ سب نے اسے اتنا پیار دیا تھا کہ اسے کوئی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔

مزا تو اسکول میں آتا جہاں اس نے سب سہیلیوں کو بتا رکھا تھا کہ انگلش کی ٹیچر مس عارفہ اس کی کزن ہیں اور بھابھی بنیں گی۔

لڑکیاں متاثر ہوتیں......

بریک ٹائم میں اکثر مس عارفہ اس کے لیے اسٹاف روم سے دہی بھلے یا سموسہ چاٹ بھجواتیں۔ مس عارفہ اسکول کی سب سے قابل ٹیچر تھیں اور قدرے سخت مزاج بھی۔ لیکن مریم کی بات سب سے الگ تھی، وہ پڑھائی میں تو اچھی تھی لیکن شاہ زیب کی لاڈلی بہن تھی سو ان کے دل کے بے حد قریب...

گھر آ کر بیگ رکھتی۔ یونیفارم بدل کر بوتل سے پانی پیتے ہوئے روز کی روداد سناتی۔ آج یہ ہوا وہ ہوا فلاں، سہیلی سے لڑائی، بچوں سے راضی، امی اکتا جاتیں...... کزن بچیاں ہاتھ جوڑتیں وہ ناک چڑھا کر "ہونہہ" کہتی اور عارفہ آپی کے گھر جا کر دم لیتی۔

"اسے صرف عارفہ ہی برداشت کر سکتی ہے۔"

مدثر بھائی اس کی باتوں پر توبہ توبہ کرتے۔

"عائشہ نے میرے بال کھینچے کیونکہ میں نے مدیحہ کے ساتھ مل کر اسے پوائنٹ مارے تھے۔"

"یہ پوائنٹ کیا ہوتے ہیں۔" مدثر بھائی پوچھتے۔

"طنزیہ جملے" عارفہ آپی کاپیاں چیک کرتے ہوئے سر اٹھائے بنا جواب دیتیں۔

"تم اتنی لڑاکا ہو گڑیا۔" وہ حیرت سے پوچھتے۔

"اس نے میرے اسکول بیگ کو "بوری" کہا تھا۔" وہ خفا خفا لہجے میں کہتی۔

"او" وہ سر ہلاتے......

"شکر ہے کرن تمہاری طرح نہیں...... ہری مرچ۔" وہ اس کے سر پر چپت لگاتے...... وہ مزید خفا ہو جاتی۔

مدثر بھائی کرن بجیا کے منگیتر تھے...... عین قریب ان کی شادی ہونے والی تھی...... سب سے زیادہ مریم پرجوش تھی۔ مریم بارہ تیرہ برس کی جو معصومیت سے بانکپن کی طرف جا رہی تھی......

مدثر بھائی خوش شکل تھے۔ اچھی پوسٹ پر تھے...... سب جانتے تھے کرن کا نصیب اچھا بلکہ بہت روشن ہوگا۔

لیکن کچھ دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ رویے بدلنے لگے...... کچھ تھا جو پس پردہ تھا اور رفتہ رفتہ دوریاں آ گئیں، شاید دل ٹوٹ گئے تھے یا دل بدل گئے تھے۔ اور وہ گھڑی جدائی کی۔ اداسی کی کنڈلی مار کر گھروں میں بیٹھ گئی، رشتوں پر کائی اتر آئی تھی جو نجانے کب تک چھائی رہتی۔

کرن کے وجود میں ٹھکرائے جانے کی اذیت ناسور بن کر اتر آئی تھی۔ جس کی لپیٹ میں بہت سے رشتے آ گئے تھے۔ اسے صرف مدثر نے مسترد کیا تھا لیکن وہ ایک ایک کو اذیت دے رہی تھی۔

مریم کا ذہن گہرائی تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ بس یہ احساس تھا کہ جو ہوا وہ ٹھیک نہ تھا۔

عارفہ کی رنگت میں اداسی گھل گئی تھی۔ چہرے پر حزن نظر آتا۔ شاہ زیب کو گہری چپ نے گھیر لیا تھا۔ زندگی میں خزاں کا موسم نجانے کب تک رہتا۔ لیکن رشتے دور دور ہو گئے تھے۔

شوخ و چنچل، الہڑ مریم اب سنجیدہ سی دکھتی، سمجھدار عقل مند بجیا کمرے میں لائٹ آف کیے گھنٹوں پڑی رہتیں، شاہ زیب گھر سے باہر وقت گزارتا اور عارفہ نے اسکول ہی بدل لیا۔

"مس عارفہ نے تو تمہاری بھابھی بننا تھا پھر کیا ہوا؟"

سہیلیاں، کلاس فیلوز استفسار کرتیں، وہ گم صم...... کیا کہتی بھلا۔

سب گھر والے کرن کی دل جوئی کرتے۔ اس کے غم کا مداوا کرتے رہتے لیکن زندگی ٹھہرا ہوا پانی...... جامد...... جس میں اب کائی لگ رہی تھی۔ وہ سب کیا، کیوں، کیسے میں الجھے رہتے۔

مریم کو اپنی زندگی ساکت لگتی۔ اسے سب کے درد کا احساس تھا...... لیکن درماں کیسے ہوتا بھلا؟ اس نے کتابوں میں پناہ لے لی تھی۔

☆☆☆

"شاید سب لوگ اپنی ذات میں قید ہیں......" اس نے ڈائری پر سوچ اتاری تھی۔

"زندگی نجانے کب بدلے......" الفاظ اداسی کے پیرہن میں لپٹے ہوئے تھے......

"اوہو! اب لوگ مصنف بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔" کسی نے پیچھے سے ڈائری لپک لی۔

وہ اظفر تھا...... چھوٹی خالہ کا چھوٹا فرزند...... جس کی نظریں کبھی مذاق اڑاتی لگتیں...... لیکن اب ان میں ایسی چمک اور جذبے نمایاں ہونے لگے تھے کہ وہ نظریں چرا کر بات کرتی...... جیسا اب کر رہی تھی۔

اظفر بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ سب نے اس کا نام کائیاں رکھا تھا۔ پھپھو کی اریبہ اسے فسادی، پھاپھا کٹنی کا مردانہ ورژن کہتی۔

"پہلے میری طرف دیکھ کر بات کرو لڑکی۔" اظفر نے ڈائری والا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

وہ لڑتی، دھمکیاں دیتی، سرزنش کرتی اس سے ڈائری مانگ رہی تھی۔ جب امی کی آمد نے دونوں کو ساکت کر دیا۔

"السلام علیکم۔"

اچانک بدتمیز اظفر تمیزدار بن گیا تھا۔ ڈائری میز پر رکھی اور ادب سے سر جھکا دیا۔

امی نے گھور کر اسے دیکھا جو ڈائری جھپٹ کر اسے گھور رہی تھی۔

"ڈرامہ باز" زیرِ لب کہا گیا جملہ اظفر نے سنا۔ اور انجان بن کر یوں دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو مجھ سے کچھ کہا......

"جاؤ مریم! چائے بنا کر لاؤ......"

امی نے مزید آنکھیں نکالیں اور اظفر سے سب کا حال احوال پوچھنے لگیں۔ ایک وہی تھا جو سب کے گھروں میں جاتا۔ تعلقات نبھاتا...... کون راضی ہے کون ناراض...... اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

"میں کسی سے خفا نہیں...... میرا دل سب سے راضی ہے۔" وہ کندھے اچکا کر کہتا۔

"آپ سب اشعر کی شادی میں آئیں گے ناں۔" اس نے "سب" پر زور دیا۔

"ان شاء اللہ۔" امی نے پیار سے کہا۔

اشعر کی شادی یادگار فنکشن تھا۔ کیونکہ ایک مدت بعد سب ایک جگہ اکٹھے ہو رہے تھے، نانو کی وفات کے بعد مل بیٹھنا تو قصہ کہانی بن گئے تھے کبھی کوئی ناراض، کبھی کوئی بیمار، کسی کے پیپرز تو کسی کی زچگی......

مامی ماموں نے ایک ایک کو دعوت نامہ دیا تھا۔ روٹھوں کو منایا، اشعر اکلوتا تھا۔ سو سب کو راضی کرنا ضروری تھا۔

"کسی ایک کی ناراضی، مگر...... خوشیوں میں گھن لگ جاتا تھا اور رشتوں میں گرہ پڑ جاتی ہے...... میرے اشعر کی شادی میں سب آئیں گے اور دل سے آئیں گے۔" مامی نے کہا تھا۔

مامی اشعر کے حوالے سے بڑی وہمی خاتون تھیں...... کسی کی دل آزاری نہ کرتیں کہ کہیں مجرم نہ ٹھہرائی جاؤں۔ ایک ہی بیٹا ہے اسے نقصان نہ ہو جائے۔

☆☆☆

آج وہ سب مریم کے گھر موجود تھے۔ خوشگوار سا ماحول بنا ہوا تھا۔

"تم بڑی بہن ہو کرن...... گھنا تم نے باندھنا ہے بس۔" انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے کہا تھا۔

کرن کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ اور رہی

مریم تو وہ کب سے ایسے موقع کی تلاش میں تھی۔ میلاد، ڈھولکی، مہندی، بارات اور پھر شاندار ولیمہ سب لڑکیاں بالیاں تیاریوں میں معروف تھیں۔

میلاد مریم نے پڑھا...... سب لڑکیوں نے نعتیہ کلام اور سوز و سلام پیش کیا تھا۔

اگلے ہفتے ڈھولکی رکھی گئی تھی۔ اریبہ، شالی، مریم اور گل مینا کا کالج میں بھی گروپ تھا سو ساری رونق انہوں نے لگائی۔ اشعر کی اپنی کوئی بہن نہ تھی سو اب وہ اکلوتے ہونے کی بھاری قیمت ادا کر رہا تھا۔ سب لڑکیوں نے رسموں کے بہانے پیسے اینٹھے وہ بے چارہ روہانسا ہو گیا۔

''تم بہنیں ہو۔ بھتہ کیوں وصول کر رہی ہو؟'' اظفر نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''تیاری رکھو بھیا! تمہاری شادی پر اس سے زیادہ جگا ٹیکس وصول ہوگا۔'' شالی نے رقم گنتے ہوئے اظفر کو دھمکی دی تھی وہ لیڈر ٹی سو دبنگ انداز رکھتی تھی۔

''اظفر کو لڑکی کون دے گا؟'' مریم نے مصنوعی فکرمندی سے سوال کیا۔

''کیوں...... کس بات کی کمی ہے میرے جگری یار میں؟'' موئی نے دوستی نبھائی۔

''آیوڈین کی، کیلشیم کی، پروٹین کی......'' اریبہ نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ سب ہنس پڑیں۔

اظفر شروع سے دبلا پتلا سا تھا۔

''مریم جیسی موٹی کے نصیب نجانے کس سے پھوٹیں گے......؟'' اشعر نے بدلہ لیا۔

''تمہیں کیا؟'' وہ حسب روایت چڑ گئی تھی۔ اور پیر پٹخ کر چلی گئی۔

ابٹن کی رسم میں خوب ہلا گلا ہوا۔ اشعر، اظفر سے سب نے بدلے لیے۔

لڑکوں نے ڈھولکی قبضے میں کر لی بے سرے گانے، بھدی آوازیں...... لڑکیاں باقاعدہ ڈھولکی کا آغاز کرنا چاہتی تھیں۔ لڑکے انکاری...... ایک کے بعد دوسرا بے سرا گانا......

''او کے! ہم یونہی شروع کرتے ہیں۔'' شالی نے کہا۔

مریم نے برات الٹی کی...... اور خاندانی گیت گایا جو ہر شادی بیاہ کا لازمی حصہ تھا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سلامت ہو، مبارک ہو۔

دعائیہ اشعار پر سب خوش ہو کر آمین کہتے۔ مزاحیہ اشعار پر ہنستے اور جب بچھڑ جانے والوں کا تذکرہ آیا تو ماحول غم ناک ہو گیا۔

ایک کے بعد ایک گیت، ماہیے، ٹپے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ بڑی بوڑھیوں نے کہا اب رونق ہم لگائیں گی۔'' ڈھولکی انہیں تھما دی گئی۔

اشعر کی نانو نے اپنی سہیلی کے ساتھ گانا گایا۔

چاند تکے چھپ چھپ کے اونچی کھجور سے۔

نوجوان نسل پہلے تو جھجکی پھر خود بھی سر سے سر ملانے لگی......

آجا صنم مدھر چاندنی میں ہم......
جادو نگری سے آیا ہے کیسا جادوگر

''نانو! وہ...... وہ والا بھی گائیں...... آئے موسم رنگیلے سہانے......'' اظفر ان کے قریب بیٹھا فرمائشیں کرتا اور خود بھی گانے گاتا......

''رونق تو بزرگوں نے لگائی ہے۔''

اظفر نے اعلان کیا تاہم نانو اور ان کی سہیلیوں نے لفظ بزرگ پر اعتراض کیا۔

وعدے کے مطابق عرن نے اشعر کو گھنا باندھا تھا۔ سبز سلک کے سوٹ پر ٹشو کا کامدار دوپٹا اوڑھے وہ آج بھی من موہنی لگتی تھی۔۔۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے مدثر آ رہا تھا اپنی بیوی اور بچوں کے ہمراہ اس نے بمشکل رسم ادا کی اور واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔ اس کا جی اچاٹ ہو چکا تھا ہنستے مسکراتے چہرے اپنا تمسخر اڑاتے۔ وہ جلد ہی رونق میلہ چھوڑ کر واپس چلی گئی۔

مریم پوری شادی میں نمایاں تھی۔ کچھ نوعمری کا بانکپن، کچھ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔ اظفر کی نگاہیں

بار باراس کے چہرے کا طواف کرتیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے جذبے مریم تک نہ پہنچے۔ یوں ایک چنگاری بھڑکی اور اس کی آنچ میں دونوں کے دل سلگنے لگے تھے۔

اشعر کی شادی کو یادگار بنانے میں ماموں مامی کی محبت بھی شامل تھی۔

ولیمہ بہت پر رونق تھا۔ مریم نے آف وائٹ اور گولڈن امتزاج کی میکسی پہن رکھی تھی، وہ امی اور خالہ ایک ہی ٹیبل پر براجمان تھیں۔

"خالہ اور امی کتنے موسموں کے بعد ایک جگہ بیٹھ کر بریانی سے انصاف کررہی ہیں۔" مریم نے سوچا۔

ان کی گوسپ، کھانے اور باتوں کی اسپیڈ نے مریم کو شرمندہ کردیا تھا۔

"خالہ! آپ کو بلال بھائی یاد آرہے ہیں ناں......"

خالہ چپ چپ سی تھیں۔

"ہاں بیٹا...... سوچتی ہوں اس کا بھی گھر آباد ہوجاتا تو اچھا تھا۔ ماؤں کے دل ٹھنڈے رہتے ہیں اگر اولاد سکھی ہو......"

بلال بھائی، اظفر سے بڑے تھے اور کئی برس سے جرمنی میں تھے۔ خالہ ان کی شادی کی دعائیں کرتیں...... فون پر سمجھاتیں وہ سنی ان سنی کردیتے...... خواہ مخواہ خود کو سزا دے رہے تھے۔ یہ موئی کا خیال تھا۔

"مت پریشان ہوں۔ جب وقت آئے گا ناں تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔" اس نے ہمدردی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ وہ ہمیشہ پر امید رہتی تھی۔

کون جانے؟" انہوں نے اداسی سے کہا۔ سب کو اپنی بیوی بچوں میں مگن دیکھ کر ہوک سی اٹھی تھی۔

"کرن نہیں آئی اور شاہ زیب......"

"کرن بجیا کے سر میں درد ہے اور شاہ زیب بھیا کے اپنے کام۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

امی دیگر خواتین سے مل رہی تھیں۔ خوشی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"مجھے اظفر زبردستی لایا ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کا تذکرہ کیا۔

"تم بہت اچھی ہو مریم...... دل کرتا ہے تمہیں اپنے گھر لے جاؤں۔" خالہ نے اس کی موہنی صورت دل میں اتاری۔

اب مریم اتنی بھی نادان نہ تھی کہ ان کا مطلب نہ سمجھتی۔ سو شرما گئی۔ دل انوکھی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ ولیمہ کا فنکشن یادگار تھا۔ نئی دلہن الوینہ سب کو پسند آئی تھی۔ رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آرہی تھی۔

☆☆☆

اشعر کی شادی نے روٹھے رشتوں کو قریب کردیا تھا۔ ناراضیاں ختم نہ بھی ہوسکیں تو کم ضرور ہوگئی تھیں۔

وہ جمعہ کی ڈھلتی سہ پہر تھی۔ خالہ اور مامی ایک ساتھ وارد ہوئیں۔ خوش گوار موڈ اور کچھ پراسرار سا انداز...... عقدہ تب کھلا جب امی نے بتایا کہ وہ مریم کے لیے خواہش مند ہیں۔

"میری بہن نے ایک بار پھر جھولی پھیلائی ہے میں بہت خوش ہوں مریم...... تم راضی ہوناں بیٹا......"

اس کے ذہن میں مسکراتی چمکتی اور کچھ بولتی نظریں ابھریں وہ شرما کر بھاگ گئی......

اس سے پہلے کہ خالہ کو حتمی جواب دیا جاتا...... کرن نے ہنگامہ کردیا۔ بھوک ہڑتال...... رونا دھونا...... بس کچھ تھا جو اسے ناپسند تھا...... یہ رویہ بہت پریشان کن تھا۔ سب گھر والے سراسیمہ تھے اور کچھ کومگو کا شکار بھی......

"امی! آپ مریم کے رشتے کا انکار کردیں......" اس نے امی کو مخاطب کیا۔

"کیوں؟ کیا برائی ہے اس میں؟" امی نے

تحمل سے پوچھا ورنہ دل کر رہا تھا ایک جوتا کس کے لگائیں۔

''مجھے نہیں پسند وہ۔'' انہوں نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

''کیا اس لیے انکار کروں کیونکہ آپ کی شادی نہیں ہو پا رہی۔'' مریم نے زچ ہو کر کہا تھا۔

کرن نے اسے دیکھا...... اس کی آنکھیں بے یقین تھیں پھر ان میں گلابی رنگ نمایاں ہو گیا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی مریم کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ امی نے بھی دکھ سے دیکھا...... وہ شرمندہ ہو گئی......

چند دن یونہی گزر گئے، دونوں طرف خاموشی تھی۔ وہ بجیا کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ جہاں کھڑکی سے سرما کی دھوپ جھانک رہی تھی۔ نرم اور ہلکی سی اس کھڑکی کے آگے بالکونی تھی جہاں سے مدثر کا گھر نظر آتا۔ بجیا گھنٹوں اس بالکونی میں بیٹھی رہتیں...... گم صم سامنے لان نظر آتا...... برآمدہ ...... کبھی چہل پہل کبھی سناٹا۔ مدثر کے آنے سے کچھ رونق لگتی پھر وہی کہر آلود موسم۔

بجیا اسے خود غرض لگتیں...... بے مہر...... لیکن آج ان پر بے اختیار ترس آ گیا۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ اپنی مٹھیوں میں دبا دیے۔ نرم گرم ہاتھ ......

''کتنی گرمائش ہے مریم کے ہاتھوں میں'' کرن نے بے اختیار سوچا۔

''کتنے ٹھنڈے ہاتھ ہیں بجیا کے۔'' مریم کو خیال آیا۔

وہ چاہتی تھی بجیا ڈانٹیں...... بولیں...... اونچا اونچا رولیں، بس یوں...... یوں خاموش نہ رہیں۔ جیسے کئی دنوں سے تھیں۔

آپ دل کی بات اپنی بہن سے کر لیں۔'' اس نے کرن کے ہاتھ دبائے۔

وہ چپ چاپ آسمان دیکھتی رہی جہاں بادل بکھرے ہوئے تھے۔ پھر ایک بادل نانو کی حویلی بن گیا اور لمبے آوازوں میں ڈھلنے لگے تھے۔ سب بچے دروازہ کھول کر بھاگتے ہوئے اندر چلے گئے صحن میں رونق لگی تھی۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں سب اکٹھے ہوتے ادھم مچاتے۔ کرن کی ماموں زاد مدثر سے دوستی تھی۔

''میں کیپٹن، تم وائس کیپٹن۔''

وہ انگلی اٹھا کر کہتا۔ وہ جلدی سے سر ہلا دیتی۔ اور بچہ پارٹی کو اس کی بات ماننا پڑتی۔ کتنے کھیل سب مل کر کھیلتے۔

آنکھ مچولی، چھپن چھپائی، برف پانی، گڑیا گھر، ہنڈ کلیا، وقت بدلا...... کھیل اور دلچسپیاں بھی بدل گئیں۔

اب سب کو گیت مالا پسند تھا۔ پاپ میوزک...... وائٹل سائن کے دلدادہ تھے۔ پہلی سی بے تکلفی نہ تھی لیکن دوستی ضرور تھی اب بھی۔

کرن نے ایف اے کیا تو ماموں نے اعلان کیا۔ کرن اور مدثر، عارفہ اور شاہ زیب...... نئے رشتے میں جڑ گئے۔ چاند رات کو یہ اعلان خوشی کی لہر دوڑا گیا۔ ایسے میں بلال کا ستا چہرہ کسی کو یاد نہ تھا۔ گم گو...... اداس آنکھوں والا بلال...... منجھلی خالہ کا بیٹا۔ جو کرن کو کیپٹن بنانے کی آرزو رکھتا لیکن وہ تو مدثر کی وائس کیپٹن بن کر ہی خوش تھی۔ وہ خاموشی سے منظر سے ہٹ گیا۔

کرن نے مدثر کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ایک لمحہ ٹھہر گیا یا پھسل گیا جیسے سے...... وہ انجان تھے۔ صاحب سلامت کے شور نے ماحول کو رنگین بنا دیا تھا۔ عارفہ اور شاہ زیب انوکھے بندھن میں بندھے تھے۔

''ہم خوش قسمت ہیں شاہو، ہمارے درمیان انتظار کی گھڑیاں نہیں تھیں۔'' عارفہ نے اسے میسج کیا تھا۔

''سچ کہوں تو نانو زندہ باد...... کیسے ہمارے دل کی بات سمجھ گئیں۔'' شاہ زیب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ب کچھ حسب منشا تھا۔ لیکن حالات تب بدلے جب مدثر کا دل بدلا۔ نظریں بدلیں اور پھر فیصلہ بھی اسے اپنی کولیگ پسند آگئی تھی، بس...... ایک اجنبی لڑکی کتنی آسانی سے مدثر کے دل کی مسند پر براجمان ہوگئی تھی۔ کرن شاک میں تھی، بے یقین...... ساکت وصامت......

"وہ سب کیا تھا اتنے برس کا ساتھ۔" وہ بارہا اسے پیغام دیتی۔

آخر وہ ڈپریشن میں چلی گئی۔

سارا خاندان مدثر کو لعن طعن کر رہا تھا، دباؤ ڈال رہا تھا۔ باپ کی ڈانٹ پھٹکار...... آخر وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ (مزید خرابی) صرف مامی کو اپنے ناراض بیٹے کی فکر تھی۔ وہ کرن کے گھر آئیں۔

"دیکھو آپا! شادیاں نکاح تک ٹوٹ جاتے ہیں۔ مدثر نہیں راضی تو کیا کروں؟ میرا بچہ بتیس دانتوں میں آگیا ہے۔ ہر زبان اسے کوس رہی ہے...... میرے بس میں ہوتا تو کان سے پکڑ کر لاتی۔ لیکن وہ تو گھر سے چلا گیا ہے۔" آخر میں پھپھک پھپھک کر رونے لگیں۔

عارفہ بھی گم صم سی ہمراہ تھی۔ کرن سر جھکائے سن رہی تھی لب بے۔

"کتنی سفاک ہیں مامی...... اگر چاہتیں تو بیٹے کو منا سکتی تھیں۔" کرن نے تلخی سے سوچا۔

ماحول میں خاموشی اور تناؤ تھا۔ مدثر کو گھر والے منا کر لائے اور آخر مدثر کی شادی کا کارڈ آگیا تھا۔ کرن کا جمود ٹوٹ گیا وہ چلائی، روئی اور چیزیں توڑیں۔ مریم خوف زدہ سی رونے لگی۔ امی ان کو سنبھالتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھیں۔ شاہ زیب زرد چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

"عارفہ سے منگنی توڑ دو۔" کرن پھنکاری۔

"لیکن اس کا کیا قصور؟" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"تو کیا میں قصور وار ہوں؟" وہ سراپا شکوہ تھی۔

اور گھر والوں کے دباؤ میں آ کر اس نے عارفہ سے منگنی توڑ دی۔

طوفان آ کے گزر گیا تھا۔ تاہم اثرات باقی تھے۔

مدثر اپنی بیوی کے ساتھ خوش تھا بہت خوش۔ کرن تو اسے یاد نہ تھی لیکن کرن کی زندگی ٹھہری گئی تھی۔

انہی دنوں خالہ کے بلال نے محبت سے ہاتھ پھیلایا۔ اس کا دل ہمیشہ سے کرن کا طلب گار تھا۔ خالہ بہت عزت و مان کے ساتھ آئی تھیں۔

"مدثر نہیں تو کوئی نہیں۔" اس نے شدت سے انکار کیا تھا۔

اس سارے قصے میں سب سے زیادہ نقصان شاہ زیب اور عارفہ کے حصے میں آیا تھا۔ وہ دونوں مل سکتے تھے لیکن کرن کی مخدوش حالت کسی کو آگے بڑھنے نہ دیتی۔ ماموں، مامی نے قدم بڑھایا۔ نانو نے سمجھایا۔ لیکن کرن کو لگتا مدثر لوٹ آئے گا۔ وہ دعائیں...... وظیفے پڑھتی...... بس اپنے دائرے میں قید۔ مدثر لاتعلق...... مگن سا......

مامی نے عارفہ کی شادی کی بہت کوششیں کیں لیکن ہمیشہ کی کم گو نرم مزاج عارفہ نے کہہ دیا۔

"شادی کا باب بند ہے اس کے لیے۔"

مامی کو بیٹی کا دکھ لے ڈوبا۔ معمولی بخار بہانہ بنا اور وہ داعئ اجل ہوگئیں۔ بیٹی کی شادی کی حسرت لیے دنیا سے چلی گئیں۔ عارفہ اسکول میں پڑھا رہی تھی۔ گھر آ کے کام کرتی۔ ٹیوشن پڑھاتی بے کیف دن...... سونی راتیں...... وہ اور ماموں خاموشی سے دن گزار رہے تھے۔

شاہ زیب کی چپ بھی سب کو نظر آتی۔ عارفہ کے ذکر پر چہرے پر کرب آ جاتا۔ لیکن لب بے انجان بن جاتے۔ کتنے موسم اس بے کلی میں گزر گئے تھے۔

اس جھیل میں پتھر اشعر کی شادی پر گرا۔ جب مریم اور اظفر ایک دوسرے کی جانب متوجہ ہوئے پورے دل سے۔ ورنہ دونوں چونچیں لڑاتے رہتے

تھے۔ محبت، شوخی، خواب اور خواہش۔ ان دونوں کی آنکھوں میں یہی جذبے موجزن تھے۔ لیکن کرن نے معاملہ التوا میں ڈال دیا۔ اسے اظفر پسند نہ تھا۔ مریم پر اب بیزاری طاری رہتی۔

"ٹھیک ہے آپی کے ساتھ ٹریجڈی ہوئی لیکن دوسروں کو سزا کیوں دیتی ہیں۔" وہ امی سے کہتی۔

سب کرن کی غم گساری کرتے۔ دلجوئی......
لیکن شاہ زیب کا اداس چہرہ کسی کو نظر نہ آتا۔ مریم نے اس کی تنہائی، ٹوٹا دل سب سے پہلے محسوس کیا۔ وہ ذہنی طور پر اس کے قریب ہوتی گئی۔ اکثر ماضی کی باتیں کرتے۔ عارفہ کی باتیں۔ وہ اسے بولنے پر اکساتی۔ اور کب وہ دل کی باتیں چھوٹی بہنا سے کرنے لگا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

اظفر اور مریم اپنے گھر کے چھوٹے بچے تھے۔
محبت...... کھٹپتیں...... جھگڑے...... چھلش......
جدائی...... ان کے کمسن اذہان میں محفوظ ہوئے لیکن نقش نہ بنا سکے۔ مدہم ہو گئے۔

مریم سب کی دوست تھی۔ عارفہ آپی کی، شاہ زیب بھائی کی بھی...... غم گسار، مہربان سی۔

بلال نے کرن کے مسترد ہونے کا صدمہ لیا اور ملک چھوڑ گیا۔

"اگر ہم قسمت کا لکھا قبول کر لیں ناں تو کبھی پریشان نہ ہوں۔" خالہ اور امی کو کرن سے گلہ ہوتا۔

"وقت اتنا بیت گیا ہے۔ مدثر مگن...... یہ کرن کس آس میں ہے۔" خالہ بےزاری سے کہتیں۔ انہیں ہر بات کی ذمہ دار کرن ہی لگتی۔

اظفر جی دار تھا، وہ بلال کی طرح نہ تھا۔

"محبت کی ہے تو اسے حاصل کرو، محبوب کو اپنے ہونے کا احساس دلاؤ۔" وہ خاص اسٹائل سے کہتا۔

"ہم...... اسی لیے میرے آس پاس منڈلاتے ہو۔" مریم نے بھٹہ کھاتے ہوئے غیر سنجیدگی سے کہا۔

"شاہ زیب بھائی کماؤ بیٹے ہیں۔ عارفہ آپی بھی اپنے پیروں پر کھڑی ہیں۔ دونوں ٹریجڈی ہیرو ہیروئن بنے ہوئے ہیں۔" اظفر سخت کبیدہ خاطر تھا۔

"یہ اپنے پیاروں کا دل توڑنے سے ڈرتے ہیں۔" مریم نے برا مان کر اسے دیکھا۔

"کون اپنے...... جو اپنے مدار میں قید ہیں۔" اس نے بےزاری سے کہا۔ مریم پاؤں پٹخ کر اندر چلی گئی کچھ بھی تھا اپنے بہن بھائیوں کی برائی سننا اسے پسند نہ تھا۔

اظفر کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔ وہ مریم کی محبت میں آتا تھا۔ وہ سادہ دل حساس لڑکی۔ اس کی خاطر خالہ کے لیے قصے جو گوسپ (خاندانی غیبت) پر مبنی ہوتے سنتا۔ کرن بجیا کے لیے نوے کی دہائی کے گانے ڈھونڈ کر لاتا۔ شاہ زیب بھیا سے دوستی تو تھی ہی۔ مریم کو بہانے سے مخاطب کرتا۔

"تمہیں بلال بھائی اور نور خالہ منع نہیں کرتیں۔" وہ چڑاتی۔

"میرا اپنا بھی دل ہے جو کسی کا غلام نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر کہتا۔ لیکن اس گھر میں سب اس کے منتظر رہتے۔ امی جو کبھی اولاد کی وجہ سے اپنے بہن بھائیوں سے کٹ گئی تھیں۔ شاہ زیب جسے ایک دوست کی ضرورت محسوس ہوتی۔ جو اس کے جذبات سمجھ سکتا۔ اور مریم جس کا دل خاص لے میں دھڑکنے لگا تھا۔ بس کرن بےزاری محسوس کرتی، الجھن...... ناگواری......

"یہ کیوں آتا ہے...... آپ منع کریں اسے۔" وہ امی سے گلہ کرتی۔ لیکن امی نے اس کی یہ بات نہ مانی۔

"میری بہن کے گھر کی رونق ہے اسے برا لگے گا۔"

ایک بار وہ آیا تو اس کے ہمراہ مدثر کے دونوں بچے تھے۔ ہاتھوں میں پھول تھامے...... شرماتے ہوئے اظفر کے پیچھے چھپتے۔

"دادو کو سلام کرو......" اظفر نے کہا۔ وہ جھجکے پھر دادو کہہ کر امی سے لپٹ گئے۔ امی نے رکی سا پیار کیا۔ لیکن کرن نے وہ اٹھا پٹخ کی کہ دوبارہ اظفر نے کبھی ایسی حرکت نہ کی۔

"میرا غم کسی کو نظر نہیں آتا۔" اس نے گلاس پھینکا۔

اظفر دوبارہ آیا تو آگے کرن نے عدالت لگالی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھتا رہا۔ گندمی رنگت خیالی ہوگئی تھی۔ بالوں میں چاندی آگئی تھی۔ آنکھیں وحشت زدہ، اسے بیک وقت غصہ اور ترس آیا۔

"آپ کو اپنی ذات سے بھی آگے کچھ نظر آتا ہے کیا؟" اظفر نے سنجیدگی سے کہا۔

"میری زندگی برباد ہوئی ہے۔ عمر گزر گئی۔ سب مگن ہیں، خوش۔ تنہا تو میں ہوں۔" وہ حسب روایت خود ترسی میں مبتلا تھی۔ اظفر چپ چاپ دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہوکر اسے تکنے لگی۔ مسلسل ارتکاز سے الجھن ہورہی تھی۔

"شاہ زیب کو بھی عارفہ کی پرواہ ہے۔ اسے یاد کرتا ہے چپکے چپکے مریم بھی بہانے بہانے تمہارا ذکر کرتی ہے۔ تم آتے ہو تو اس کی نگاہیں مسکراتی ہیں۔ مجھے سب خبر ہے۔" اس کا لہجہ مدھم ہوگیا تھا اور آواز سرگوشی کی مانند۔ "تمہاری نگاہیں بھی اس کو ڈھونڈتی ہیں۔ بس میں ہی تنہا ہوں۔" اس کا لہجہ یاس بھرا تھا۔

"شاہ زیب بھائی کے دل میں عارفہ آپی ہیں آپ کو خبر ہے۔" پھر بھی انہیں ایک نہیں ہونے دیتیں۔ مریم اور میرے دل کی حالت معلوم ہے۔ پھر بھی...... پھر بھی۔" اس نے گلہ آمیز نظروں سے دیکھا۔ "آپ سے کسی نے کچھ نہیں چھینا۔ ہاں مدثر بھائی نے دل توڑا تو آپ نے دوسروں کے دل توڑنے شروع کردیے۔ آپ کے نصیب میں مدثر بھائی نہ تھے۔ ملنا ہوتا تو مل چکے ہوتے۔ کبھی سوچا ہے آپ نے، ایک فرد کے پیچھے خوار ہورہی ہیں۔ تمام رشتوں کو رگید رہی ہیں وہ تو مگن ہیں ان کی زندگی میں آپ کہیں نہیں۔ انہوں نے تو کبھی آپ کو یاد بھی نہ کیا ہوگا۔ تف ہے آپ کی ایسی محبت پر۔" اس نے غصے سے کہا اور گھر سے نکل گیا۔

مریم کو لگا اس کا دل جیسے خالی ہوگیا ہے۔ اس نے آنسو بھری نظروں سے کرن کو دیکھا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔ شاہ زیب نفی میں سر ہلاتا ہوا مریم کے کمرے میں چلا گیا۔ اسے دلجوئی درکار تھی۔ امی چپ چاپ چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔

آج کرن کو نہ دلاسا ملا نہ تسلی۔ نہ کسی نے دلجوئی کی نہ آنسو صاف کیے۔

"کیا وہ سچ مچ اکیلی رہ گئی ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا جواب میں گہری خاموشی تھی۔

☆☆☆

آنے والے دن سب کے لیے تبدیلی لائے تھے۔ امی نے سنجیدگی سے سوچا اور شاہ زیب سے عارفہ کی بابت پوچھا۔

"امی......وہ بجیا......" وہ گومگو میں تھے۔

"ہم نے اس کا بے جا ساتھ دیا۔ اس لیے وہ آگے جانے کے بجائے اس ایک لمحے میں قید ہوگئی۔ اسے ادویات کی ضرورت تھی۔ ہم زبانی تسلی دیتے رہے۔ اسے ٹھیک سمجھتے رہے اپنے ارمان کچل کر...... بجائے ہم اسے آگے بڑھنے کے لیے اکساتے اس کے ساتھ خود ٹھہر گئے۔" امی کا لہجہ غمگین تھا۔ پھر انہوں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "میں عارفہ کے لیے جاؤں گی۔ کل تم تیار رہنا۔" بیٹے کا ماتھا چوما۔ جس کے چہرے پر پھیلی روشنی نے آبدیدہ کردیا تھا۔ "خوش رہو شاہ زیب بیٹا!"

امی نے نم آنکھوں کے ساتھ ماموں کو فون کیا اور واضح الفاظ میں اپنا عندیہ دہرایا۔ ماموں کچھ کہنے کے بجائے آنسو صاف کررہے تھے اولاد بھی کیسی آزمائش ہوتی ہے۔

امی نے مریم، خالہ اور شاہ زیب کے ساتھ جاکر عارفہ کے لیے جھولی پھیلادی۔

''جو گزر گیا اس کی تلافی تو ممکن نہیں بس آگے فیصلے درست ہوں۔'' ماموں نے بردباری سے کہا۔

عارفہ کے نکاح کی تیاریاں تھیں۔

''کتنے عرصے بعد خوشیاں اس آنگن میں اتری ہیں۔ کبھی ستون کی بیل سے لپٹ جاتی ہیں کبھی آنگن کی دھوپ کے ساتھ رقص کرتی ہیں۔'' کتنے عرصے بعد مریم ڈائری پر جذبات اتار رہی تھی۔

''شاید ہر بات کا وقت مقرر ہے۔ خوشیوں کا بھی۔''

اس نے ڈائری بند کی۔ اور عارفہ کے جوڑے پیک کرنے میں امی کی مدد کرنے لگی۔

کرن خاموش رہتی تھی لیکن حصہ ضرور لیتی تھیں۔

اظفر اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر گیا۔

''ڈپریشن ایک بیماری ہے اس کا علاج ضروری ہے۔ محض تسلی، دلاسے کافی نہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''انہیں محبت، توجہ کے ساتھ ساتھ اس مدار سے نکلنے کی ضرورت تھی۔ جس میں وہ قید ہوگئی تھیں۔ دوا کی ضرورت تھی۔''

آہستہ آہستہ کرن کی حالت سنبھلنے لگی۔

''ہم دونوں کی محبت فاتح ٹھہری۔'' کتنے عرصہ بعد عارفہ کی سماعتوں نے وہ لہجہ سنا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''شاید مقدر میں وہ آزمائش تھی۔'' اس نے بھیگی آواز میں کہا۔

''بس تم کرن بجیا کا خیال رکھنا اور ان کا دل نہ ٹوٹے۔'' اس نے مان بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ میری دعاؤں میں شامل ہیں۔'' عارفہ کے لہجے کی سچائی گواہ تھی۔

سب خوشیوں کو بھرپور طریقے سے منا رہے تھے۔ اظفر استحقاق سے آتا۔ انتظامات کا جائزہ لیتا۔ مریم کی غلطیاں نکالتا۔ کرن بجیا سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتا، رائے لیتا۔

''آیئے بجیا! چھت پر واک کرتے ہیں میں آپ کو بتاتا ہوں لڑکیاں مجھے کس قدر پسند کرتی ہیں۔'' کن انکھیوں سے مریم کو دیکھا۔ جو بظاہر بے نیاز بنی ہوئی تھی۔ اس قدر رشتے آرہے ہیں میرے۔''

شرمانے کی فلاپ ایکٹنگ، مریم نے کلس کر سوچا۔ اور دھپ دھپ کرتی اوپر چلی گئی۔

''کیوں ستاتے ہو میری بہن کو؟'' کرن نے مسکراتے ہوئے سرزنش کی۔ وہ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''آیئے چھت پر چہل قدمی کرتے ہیں۔'' اسے لے کر اوپر آگیا۔

پھر زینے عبور کرتے...... ٹہلتے منڈیر پر بیٹھ کر نیلا آسمان تکتے انہوں نے ڈھیروں باتیں کیں۔ پھولوں پر، موسموں پر، ڈراموں پر۔

''آپ دوا لیتی ہیں ناں باقاعدگی سے؟'' اظفر نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہمم'' کرن نے محض اتنا کہا۔ ''مجھے علم ہو چکا ہے قسمت میں جو ہوتا ہے وہی ملتا ہے...... صبر...... شکر بہترین دوا ہے۔ بس اپنے پیاروں کو جو اذیت دیتی رہی اس کا پچھتاوا ہے مجھے...... کوشش کروں گی اب کچھ غلط نہ ہو۔'' اس کا لہجہ بدلتی سوچ کا غماز تھا۔ اظفر کو خوشی محسوس ہوئی۔

''آپ کے لیے چائے لے کر آتا ہوں ایک سرپرائز کے ساتھ۔'' وہ اچانک اٹھا اور تیزی سے نیچے چلا گیا۔

کرن اوپر کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ آسمان پتنگوں سے سجا تھا۔ پرندے واپسی کی اڑان بھر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا طبیعت بحال کر رہی تھی۔ اس نے آنکھ موند لیں۔ اچانک اسے دوسری آہٹ کا احساس ہوا۔ کوئی جھکے سے اس کے قریب آکر بیٹھا۔ کرن نے چونک کر آنکھیں کھولیں، نگاہ جوتوں پر گئی جو گرد آلود تھے جیسے طویل مسافت طے کی ہو۔

''کیسی ہو کرن؟'' آنے والا کا لہجہ مانوس تھا۔

اپنائیت بھرا برسوں کی دوری نے کوئی اثر نہ ڈالا تھا۔

کرن کے گلے میں کوئی شے پھنس گئی۔ شاید آنسوؤں کا غمگین گولا۔

"بس ٹھیک۔" محض ایک فقرہ ادا ہو سکا۔ چند پل خاموشی کے سر کے۔

"کہاں کھو گئے تھے تم...... اتنا عرصہ کیوں غائب رہے۔ خالہ، امی سب تمہارے منتظر رہے۔" کرن کے لہجے میں کچھ تھا لیکن کیا؟ نووارد کھوج نہ سکا۔

"اور تم...... کیا تم منتظر تھیں میری؟" نووارد کے لہجے میں آس تھی۔

"میں اتنے برس کھونے کے کرب میں جلا رہی کچھ رشتے مجھے چھوڑ گئے۔" آنسو اُمڈ آرہے تھے۔ "اور کچھ کو میں نے کھو دیا۔" لہجے میں پچھتاوا تھا۔ "شاید میں نے تمہیں کھو دیا تھا۔" کرن نے گردن موڑ کر دیکھا۔

مسافر کے چہرے پر مسافت تحریر تھی۔ بال گرے ہو رہے تھے۔ (وقت کے کرشمے) بس آنکھوں کی چمک وہی تھی جو کرن کا چہرہ دیکھ کر عود آئی۔

"بس جب تک زندگی ہے۔ رشتے میں محبت، احساس موجود ہے۔ دیر نہیں ہو سکتی۔" اس کے لہجے میں امید تھی۔

کرن کو اچھا لگا سن کر۔ بلال اب بھی امید کی بات کر رہا تھا۔

"ہم سے سمجھ دار تو یہ بچے نکلے۔ ایک دوسرے کے لیے کچھ خاص کچھ الگ محسوس کیا تو اظہار کیا اور ڈٹ گئے۔ منہ چھپانے، بھاگنے کے بجائے الجھی گرہیں سلجھا دیں۔ رشتوں کو دور کرنے کے بجائے قریب کر دیا۔" بلال کے لہجے میں ستائش تھی۔ اور اپنے لیے ملامت۔ "تم اور میں ایک جیسے تھے۔ محبوب نہ ملا تو کونے کھدروں میں چھپنے لگے۔ اندھیروں اور تنہائیوں سے دوستی کر لی۔ ایک شخص کے لیے باقی تمام محبتیں کھو دیں۔ شاہ زیب اور عارفہ گیلی لکڑی کی مانند سلگتے رہے۔ بس اظفر نے سب کے لیے پل کا کردار ادا کیا ہے۔"

کرن کی خاموشی میں بہت سے پچھتاوے تھے۔ کیا کہہ سکتی تھی بھلا؟ زندگی کے کتنے برس لاحاصل کے پیچھے خوار کیے کتنے رشتوں کو اذیت دی اور آخر میں خود بھی خالی ہاتھ بیٹھی ہے۔ آنکھیں بے نام آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"آج یہاں بلانے میں اظفر کا اصرار شامل ہے۔" بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اظفر بہت اچھا ہے۔ مریم خوش نصیب ہے۔" کرن کے لہجے میں محبت تھی اور شکر گزاری بھی۔

چند لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

"امی اور خالہ کی خواہش ہے کہ تم اور میں......" اس نے ایک لحظہ رک کر اس کا جھکا چہرہ دیکھا۔

"تم شرما رہی ہو مجھ......"

"نہیں۔" کرن نے سر اٹھائے بنا جواب دیا۔ اسے آنسو چھپانے کی عادت اب بھی تھی۔ بلال نے سر ہلایا۔

"میں چاہتا ہوں میری زندگی کے سفر میں تم میری وائس کیپٹن بنو۔" بلال نے جلدی سے مدعا بیان کیا۔

کرن کی آنکھوں میں استعجاب اُمڈ آیا تھا۔ تاہم وہ خاموشی سے اپنی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔

"گزرے لمحوں کا زیاں مت سوچو بس جو باقی ہے اسے محفوظ کر لو۔ تاکہ وہ کھو نہ سکے۔ چاہے کوئی رشتہ ہو یا جذبہ......" بلال نے گملے سے گلابی پھول توڑ کر اس کی ہتھیلی پر رکھا اور ہتھیلی بند کر دی۔

کرن نے پرنم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اپنی ہتھیلی کھولی تو وہ گلابی ہو رہی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کی محبت کو قبول کر لیا۔

وقت اب ان سب کا تھا۔

☆☆